"اسلامی تہذیب"

(از ڈاکٹر میر ولی الدین)

اسلامی تہذیب (کلچر) کے معنی یا مفہوم کی وضاحت سے قبل میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ "کلچر" کے لفظی مفہوم کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں اور اس ضمن میں اسلامی تہذیب کے تضمنات پر روشنی ڈالوں ہم سب جانتے ہیں کہ "کلچر" کا لفظ کاشتکاری (اگریکلچر) کی قدیم ترین صنعت سے ماخوذ ہے، اور "کلچر" کا جو مجازی مفہوم ہے وہی "اگریکلچر" کا لغوی مفہوم ہے، یعنی زمین میں تخم ریزی، آبیاری، یا تخم کی زیر زمین حفاظت، تاکہ شدتِ تمازت انہیں جلا نہ ڈالے۔ ان کے نشو ونما کے لیے کافی وقت تک انتظار، پھر پودوں کے اگنے کے بعد آفاتِ ارضی و سماوی سے ان کا تحفظ۔ انہیں پانی دینا، ان کے اطراف باڑھ لگانا، تاکہ جانور انہیں روند نہ ڈالیں، کھا نہ جائیں، وھلم جرا۔

پھولوں کی کاشت ہو یا ترکاریوں کی یا کسی اور چیز کی اس کے لیے ضروری اجزا یہی تو ہیں:
زمین صالح، عمدہ تخم، پرورشِ تخم کے خالص طریقے، اس زندگی کا جو ننھے ننھے بیجوں میں مستور ہے پودوں کی شکل میں رونما ہونا، پھر ان ہی نازک پودوں کی بالفاظ قرآن "مضبوط ہونا، پھر اپنی نال پر سیدھا کھڑا ہو جانا اور کھیتی والوں کو خوش کرنا"۔ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ (۴۸:۲۹)

اسلامی کلچر کا مفہوم ان ہی اجزاء پر غور کرنے سے مجھے امید ہے کہ واضح ہو جائے گا: باغ جو مٹی سے اگتا ہے وہ آخر میں تباہ بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن جو باغ دل کی زمین سے اگتا ہے وہ لازوال ہوتا ہے اور یہی وہ اختلاف ہے جو کلچر اور اسلامی کلچر میں پایا جاتا ہے۔ یہی فرق مجاز و حقیقت میں ہے

گلشنے کز گل دمد گردد تباہ
گلشنے کز دل دمد وا فرحتاہ (رومی)

اسلامی تہذیب (کلچر) کی زمین گل نہیں دل ہے۔ قرآن کی زبان میں اس کو "قلب" سے تعبیر

کیا گیا ہے۔ اس لفظ کے دو معنی ہیں:
ایک تو گوشت کا وہ لوتھڑا جو صنوبری شکل کا ہوتا ہے اور سینے کے بائیں طرف رکھا گیا ہے اس کے اندر تجویف ہے۔ اس تجویف میں خون ہے اور یہی روح کا منبع سمجھا جاتا ہے۔ اس دل سے ہمیں کچھ غرض نہیں۔ اطبا کے لیے یہ ضروری ہے۔ یہ دل بہائم میں بھی موجود ہے بلکہ مردے کے جسم میں بھی موجود ہوتا ہے۔

قلب کے دوسرے معنی بھی ہیں، اس معنی میں وہ ایک لطیفۂ ربانی و روحانی ہے اس لطیفے کو قلب جسمانی سے تعلق یا لگاؤ ہوتا ہے، یہی لطیفۂ ربانی حقیقتِ انسان ہے، اسی کو ادراک علم و عرفان ہوتا ہے، یہی ہر خطاب کا مخاطب، عتاب کا معاتب، عقاب کا معاقب ہوتا ہے، اور اور اس کا تعلق لحم صنوبری سے ویسا ہی ہے جیسا کہ مرض کا جسم سے، وصف کا موصوف سے، متکن کا مکان سے، مستعمل آلہ کا آلے سے، اس قلب کے متعلق کہا گیا ہے:

ماہیتِ دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطے
یک قطرہ خوں یہ دل بھی طوفان ہے ہمارا

اس لطیفۂ مدرکۂ عالمہ کو بعض دفعہ نفس، روح، عقل کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مفہوم وہی ایک ہے تعبیرات مختلف۔

یہی قلب وہ زمین ہے جس میں تہذیب اسلامی کی تخم ریزی ہوتی ہے، اس کو خس و خاشاک سے پاک و صاف کیا جاتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی اصلاح یا درستی سے سارا جسم درست ہو جاتا ہے یعنی سارے اعمال درست ہو جاتے ہیں اور اس کے بگڑنے سے سارا جسم بگڑ جاتا ہے، اس مفہوم کو ترجمانِ حقیقت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ادا فرمایا تھا:

ان فی جسد بنی آدم مضغۃ	انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست
اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا	ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر
فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی	وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، جان لو کہ

القلب (رواہ البخاری) وہ قلب ہے۔

اس نکتے کو زیادہ واضح کرتے ہوئے کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

الانسان عیناہ ھادوا ذناہ قمع و لسانہ ترجمان ویداہ جناحان و رجلاہ بریدوالقلب منہ ملک فاذا طاب الملک طابت جنودہ

انسان کی دو آنکھیں اس کی رہنما ہیں، اس کے دو کان (گویا) قیف ہیں اور اس کی زبان ترجمان ہے، اور اس کے دو ہاتھ دو پر اور اس کے دو پیر قاصد اور اس کا دل بادشاہ ہے، جب بادشاہ اچھا ہو تو اس کا لشکر بھی اچھا ہوتا ہے۔

عائشہ صدیقہ نے یہ سُن کر کہا تھا ھکذا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہی سُنا ہے"

"قلب کی زمین میں یقین کی کھاد تمام خس و خاشاک سے اس کو پاک وصاف کر دیتی ہے اس کو صالح یا طیب بنا دیتی ہے۔ یہ یقین حق تعالیٰ کے وجود کا یقین ہے۔ اس کے قرب و معیت و احاطت کا یقین ہے، اس کے خالق و رب ہونے کا یقین ہے، اس کے مالک و رب ہونے کا یقین، اس کے مولا و حاکم ہونے کا یقین ہے۔ اس کے اللہ ہونے کا یقین ہے، اور اس کے برعکس اپنے مخلوق و مربوب و مملوک و محکوم و مالوہ و عبد ہونے کا یقین ہے اس یقین کا کامل اظہار مسلم ایک کلمے کے ذریعے کرتا ہے جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے یہی کلمۂ طیبہ ہے جس کی مثال قرآنِ کریم میں ایک پاک درخت سے دی گئی ہے جس کی جڑ مضبوط ہے، جس کی شاخیں آسمان تک گئی ہیں اور حکم ایزدی سے جو ہر وقت پھل لاتا ہے اور میوہ دیتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۔ (سورہ ابراہیم آیت ۲۴ : ۲۵)

یہی کلمۂ توحید ہے جس کی جڑوں میں قائم اور مستحکم ہوتی ہے، اور اس کی شاخیں یعنی عمل آسمان پر

پہنچتی رہتی ہیں اور ان کے پھل یعنی برکت ہر وقت حاصل ہوتی رہتی ہے، اس کلمے کی ضد کلمۂ کفر ہے جس کی مثال قرآنِ حکیم میں اس درخت خبیث سے دی گئی ہے جس کی نہ جڑ مستحکم، نہ شاخیں بلند، اسے زمین کے اوپر ہی سے جب کوئی چاہے اکھیڑ کر پھینک دے۔ اس کو ذرا بھی قرار و ثبات نہیں

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِن قَرَارٍ (ایضاً آیت ۲۶)

کلمۂ طیبہ اسلام کا دعوتی کلمہ ہے جس میں توحید الوہیت اور رسالتِ محمدی کو پیش کیا جا رہا ہے جن کا جان کر اقرار کرنا ایمان کے لیے، قلب کے تزکیہ و تطہیر کے لیے، ضروری ہے، فرض اول ہے۔ تمام انبیاء نے اس توحید الوہیت کو پیش کیا ہے، یہی ان کی بعثت و دعوت کا اصل مقصود تھا تمام پیغمبروں کے پیغام کا یہی نچوڑ تھا۔

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (۱۱: ۵۰) اَے قوم! تم اللہ ہی کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود و رب نہیں"

أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (۱۲ - ۴۰) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

غرض توحید الوہیت پر سارے انبیاء اولین و آخرین کا اجماع ہے جو بھی رسول آیا وہ توحید کی دعوت لے کر آیا جیسا کہ قرآن ناطق ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (پ ۱۷ ع ۲، ۲۵)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی مستحق عبادت ہے۔ اسی کی عبادت کی جانی چاہیے۔ اسی سے فقر و ذلت کی نسبت جوڑنی چاہیے، اقرار بوجود باری تعالیٰ اور اس کی بندگی ہی تمام پیغمبروں کے پیام کا حاصل ہے، یعنی صرف اللہ ہی اللہ رہے غیر اللہ بحیثیت الٰہ قلب سے فنا ہو جائے:

دلِ عاشق روے تست با عہد درست
جانِ طالب وصلِ تست از روزِ نخست
آں کس کہ نہ جست وصلِ تو ہیچ نیافت
وآں کس کہ ترا یافت دگر ہیچ نہ جست (عطار)

قلب کی زمین میں وجودِ باری تعالیٰ کے یقین کی کھاد دے کر توحید الوہیت کا تخم لگایا جاتا ہے۔ اس تخم کی آبیاری اُن اعمال و افعال سے کی جاتی ہے جس کو شرع کی زبان میں عبادت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عبادت لغت میں عبارت ہے "غایت تذلل" سے یعنی حد درجے کی نیازمندی وخاکساری سے اور شرع میں مراد ہے وہ افعال و اعمال و احوال سے جن کا تعلق خاص طور پر حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت سے ہوتا ہے۔ عبادت اسم جنس ہے اس کی انواع بہت سی ہیں:

عبادت اعتقادی | یہ اصل ہے سب انواع کی۔ اس کا دوسرا نام توحید الوہیت ہے۔ محاورۂ قرآن میں عبادت کے معنی اسی توحید کے ہیں۔ یہ اس امر کا اعتقاد ہے کہ اکیلا اللہ ہی الٰہ ہے یعنی معبود و رب واحد احد ہے وہی خالق ہے اور اسی کا امر، وہی مالک ہے وہی حاکم، اسی کے ہاتھ میں نفع و ضرر ہے وہی مولیٰ ہے اسی طرح الوہیت کے دوسرے لوازم کا اعتقاد، لہٰذا دعا، ندا، استغاثہ، استعانت، التجا، رجا و خوف سب اللہ ہی سے ہوں غیر اللہ سے ہرگز نہ ہوں۔

عبادت لفظی | کلمۂ توحید کا زبان سے اقرار

عبادت بدنی | جیسے قیام و رکوع و سجود نماز میں۔

عبادت صوم و افعالِ حج | جیسے طواف، ذبح، نحر، حلق

عبادت مالی | حق تعالیٰ کے امتثالِ امر میں ان ہی کی رضا کے حصول کے لیے انفاق مثلاً زکوٰۃ، صدقہ وغیرہ — ذکر الٰہی — فکر و مراقبہ

مختصر الفاظ میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ غیبی نفع کے لیے مخلوق جو کام کرتی ہے وہ عبادت ہے، اگر اس کی اجازت اللہ نے دی ہے (اذن بہ اللہ) تو وہ اللہ کی عبادت ہے اگر اس کی اجازت اللہ نے نہیں دی (مالم یاذن بہ اللہ) ۲۱:۴۲۔ تو وہ غیر اللہ کی عبادت ہے شرک ہے ظلم عظیم ہے۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ معرفت الٰہی اصل علم ہے۔ سارے علم کی تفصیلات کو چھوڑ کر پہلے اس معرفت کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

بجز معرفت الٰہ ہیچ است ہمہ بگذر نہ ہمہ معرفتے حاصل کن

یہ علم مشکوٰۃ نبی ہی سے اخذ کیا جا سکتا ہے، اس کو چھوڑ کر حکم خود کے تابع ہونا بولہبی ہے، تشنہ لبی ہے، قلب کی زمین میں شجر خبیث کا بیج بونا ہے، جس کی نہ جڑ مستحکم ہوتی ہے اور نہ جس کی شاخیں بلند ہو سکتی ہیں جو زمین سے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جا سکتا ہے۔ "ما لھا من قرار" (۱۴: ۲۶)

قلب کی زمین میں "توحید الوہیت" کا تخم لگا کر "عبادت" کے ذریعے اس کی آبیاری کی جاتی ہے شرک و نفاق کے خس و خاشاک کو کلمے کے "لائے نفی" سے کھود کر پھینک دیا جاتا ہے، حق تعالیٰ کی ہر آن یاد "ذکر" سے ان کے خیال یا "فکر" سے، دوسرے الفاظ میں عبادت و معرفت سے، اس "شجر طیب" کی جڑیں مضبوط ہوتی جاتی ہیں، اس کی شاخیں آسمان تک پہنچ جاتی ہیں اور ہر آن حکم ایزدی سے اس کے پھل حاصل ہوتے جاتے ہیں۔

اس لیے قرآنِ کریم میں ذکر کثیر کا حکم دیا گیا ہے۔ اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (احزاب ۳۳: ۴۱) نیز فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ (۴: ۱۰۳) نیز فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (بقرہ ۲: ۲۵، ۲۰۰) یعنی خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپ کو یاد کرتے ہو، خدا کی یاد تو اس سے شدید تر ہونی چاہیے۔ سورۂ مزمل (رکوع اول) میں فرمایا "وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا" (۷۳: ۸) اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور اس کے ساتھ اس طرح جڑ جاؤ جس طرح کہ جڑنے کا حق ہے۔ تبتل ہی حقیقت ذکر قرار دی گئی ہے جو مذکور میں فنا ہو جاتا ہے، (صوفیۂ کرام کی اصطلاح میں)۔ اب "ذکر کثیر" وہ ذکر ہے جو کسی حال میں فراموش نہ ہو (مجاہد) صوفیہ کی اصطلاح میں یہ "ذکر دوام" ہے، "یادداشت" ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں "اللہ نے اپنے بندوں پر کوئی عبادت ایسی فرض نہیں کی جس کی ایک حد معلوم و مقرر نہ کر دی ہو، پھر اہل عذر کو حالت عذر میں اس کو معاف نہ کر دیا ہو، لیکن ذکر ہی ایک ایسی عبادت ہے کہ اللہ نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی اور کسی کو اس سے معاف نہ فرمایا، الا مسلوب العقل کو، اور ہر حال میں اپنے ذکر کا حکم دیا۔" "قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ" یعنی کھڑے بیٹھے لیٹے یعنی شب و روز خشکی و تری میں، سفر و حضر میں، غنا و فقر میں، بیماری و صحت میں، ظاہر و پوشیدہ ہر حال میں خدا کی یاد

یا اس کا ذکر ضروری قرار دیا گیا ہے (ابن عباس رضی اللہ عنہ) قرآن کریم میں ذکر کے متعلق مختلف مقامات پر جو ہدایتیں کی گئی ہیں ان کا خلاصہ یوں پیش کیا جاسکتا ہے کہ یہ ذکر محبت کے ساتھ ہو، اس کی تنزیہ و تقدیس کے دھیان کے ساتھ ہو، ادب ظاہری و باطنی کے ساتھ ہو، خشوع و خضوع کے ساتھ ہو، تبتل کے ساتھ ہو، یعنی مذکور میں فنا ہو کر ہو، کثرت یا دوام کے ساتھ ہو، بہ تضرع و بہ خفا ہو، غفلت کے ساتھ نہ ہو، ذکر میں کوئی وسوسہ یا خیال نہ آئے کہ موجب ہلاکت ہو۔ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (۵۵ : ۷۸)

اسی طرح قرآن حکیم میں فکر فی الآفاق و فکر فی الانفس کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ شجر توحید مستحکم ہو۔ اس بارے میں مشہور و معروف آیت سورہ حٰم سجدہ رکوع ۶ میں آئی ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ (۴۱: ۵۳، ۵۴)

عنقریب ہم تمہیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے انفس میں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان کو منکشف ہو جائے کہ خدا ہی حق ہے، کیا تمہاری تسلی کو کافی نہیں کہ تمہارا خدا ہر چیز کا شاہد حال ہے۔ سنو جی! یہ لوگ تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے بارے ہی میں شک میں ہیں، سن رکھو کہ وہ ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے

خدا کی نشانیاں آفاق میں بھی ہیں اور خود انسان کے نفس میں بھی، ان ہی نشانیوں پر فکر کرنے سے آدمی خدا کو پائے گا اور اس پر کھل جائے گا کہ خدا ہی حق ہے، اور اس انکشاف کے باعث اس کو اپنے رب کی طرف سے کوئی شک نہ رہے گا اور اس پر منکشف ہو جائے گا کہ حق تعالیٰ ہر چیز پر محیط ہے۔ فکر فی الآفاق کو اصطلاحاً فکر کہتے ہیں اور فکر فی الانفس کو مراقبہ۔ اس فکر و مراقبہ سے توحید کامل ہوتی ہے اور یہ ایمان کامل حاصل ہوتا ہے کہ خدا ہی حق ہے اور لاریب حق ہی ہر شے پر محیط ہے۔ اس ایمانِ کامل پر استقامت سے دوام حضور حاصل ہو جاتا ہے اور دوامِ حضور کی استقامت سے دوام شہود۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ: افضل الطاعات مراقبۃ الحق علی دوام الاوقات، یعنی

برترین اطاعت یا عبادت مراقبہ حق ہے دائماً (ابن عطا سکندری)۔

اسلامی تہذیب کی زمین قلب انسانی ہے، شک و انکار، کفر و شرک و نفاق کے خس و خاشاک سے اس کو یقین کی کھاد دے کر پاک و صاف کیا جاتا ہے، اور شجر طیب توحید الوہیت کا تخم اس میں لگایا جاتا ہے اور عبادت، ذکر و فکر سے اس کی آبیاری کی جاتی ہے۔ جب اس طریقے سے اس تخم کی پرورش کی جاتی ہے تو یہ پاک درخت اپنی جڑیں مضبوط کرتا ہے اس کی شاخیں آسمان تک پہنچتی ہیں اور ہر وقت اس میں پھل آنے لگتے ہیں۔ اب ہم ان پھلوں میں سے بعض کا بیان کریں گے۔

(۱) حریت: فقر و احتیاج انسان کی فطرت میں داخل ہے، ان ہی کو رفع کرنے کے لیے وہ ہر نفع و ضرر پہنچانے والی چیز کو اپنا "الٰہ" قرار دیتا رہا ہے، رفع احتیاج کے لیے ان سے اعانت طلب کرتا رہا ہے، ان سے ذل و افتقار کی نسبت قائم کرتا رہا ہے۔ اپنے جہل و نادانی کی وجہ سے ان کو مستقل طور پر نافع و ضار خیال کرتا رہا ہے اور یہی وہم اس کو اپنے سے کم تر مخلوق کے آگے سجدہ ریز کرنے پر مجبور کرتا رہا ہے۔

جب توحید الوہیت کے شجر طیب نے زمینِ قلب میں اپنی جڑیں مضبوط کیں اور اپنی شاخیں بلند کیں تو پہلا ثمرہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان کی گردن صرف ایک ہمہ گیر، ہمہ دان، ہمہ توان ہستی کے آگے جھکنے لگتی ہے جس کے دستِ قدرت میں ساری کائنات کی باگ ہے، یہی ہستی ہماری "الٰہ" ہے ہماری خالق ہے، مالک ہے، ہماری رب ہے، مولیٰ ہے، حاکم ہے، اسی کے ہم مخلوق ہیں، مربوب ہیں، مملوک ہیں، محکوم ہیں، عبد ہیں۔ اسی کی ہم عبادت کرتے ہیں، اسی سے ہم محبت کرتے ہیں اور اسی سے تمام حاجات و مرادات میں بھیک مانگتے ہیں۔ یہی ذات غنی ہے اور ہم سب اسی کے فقیر ہیں اسی کے فقیر ہو کر ہم سارے عالم سے غنی ہیں۔ ع

کہ بستگان کمند تو رستگاران اند!

اب عبداللہ خلق کی غلامی سے کامل طور پر آزاد ہو جاتا ہے "رقِ اغیار" سے رہا ہو جاتا ہے۔ موجودات عالم میں سے وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتا فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۳:۱۷۵)

پر اس کا عمل ہوجاتا ہے وہ نہ کسی سے امید و رجا رکھتا ہے نہ کسی سے بیم و خوف۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (۳۹: ۳۶) اس کو ساری کائنات سے غنی کر دیتا ہے وہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نافع ہے نہ ضار:

از خدا خواہم و از غیر نخواہم بخدا
کہ نیم بندۂ دیگر نہ خدائے دگر است

(۲) سکینت یا جمعیتِ خاطر: حریت کا لازمی نتیجہ سکینت یا جمعیتِ دل ہے، اس کی ضد، پریشانی اور تشتتِ قلب ہے۔ جمعیتِ ظاہرہ شاید اعمال کو شریعتِ حقہ کے مطابق آراستہ و پیراستہ کرنے کا نام ہے، یا تہذیب اخلاق ہے۔ جمعیت "جمع اسباب" کا نام نہیں اور نہ پریشانی عدم اسباب کا نام، جیسا کہ جہلا کا خیال ہے، ان ہی جہلا کے حال کی خبر حق تعالیٰ نے دی ہے: تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى (۵۹: ۱۴) "تم شاید خیال کرتے ہو کہ یہ اکٹھے (اور ایک دل) ہیں، مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں"۔ سکینت و جمعیتِ قلب ثمرہ ہے توحید کا، یہ اس وقت حاصل ہوتی ہے جب قلب کا "قبلۂ توجہ" حق کے سوا کچھ نہیں رہتا اس سے "غنا" پیدا ہوتی ہے۔ جو حق سے نیاز کامل حاصل ہو جانے کی وجہ سے خلق سے بے نیازی کا نتیجہ ہے، ایسی حالت میں انسان بقول بوعلی سینا "ہش و بش و بسام" شاداں و فرحاں و متبسم رہتا ہے (اشارات حظ تاسع) وہ "فرحان بالحق" ہوتا ہے، یعنی اس کی فرحت یا خوشی کا مبدا حق تعالیٰ ہوتے ہیں، اس کا دل دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں سے رہا ہو کر تمام احوال و مشاہدات سے یکسو و بے نیاز ہو کر کشش و تعلق ذاتی کے لحاظ سے احدیت کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور "تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا" (۷۳: ۸) کا مصداق۔

(۳) جذبۂ عمل: غیر اللہ کی عبادت و عبودیت کا جُوا جب گردن سے نکل گیا، حریت یا آزادی اور سکینت و طمانیۃ القلب مع اللہ کا جذبہ جب قلب میں پیدا ہو گیا، خوف غیر اللہ کا بھاری پتھر جب اس کے سینے سے اُٹھ گیا اور انسان اپنے حقیقی مولیٰ کے آگے جھک گیا اور اس سے مانوس ہو گیا تو وہ اپنے مولیٰ کو رحیم و حکیم اور ودود و کریم پاتا ہے اور اس کو اپنے ہر امر میں متصرف سمجھنے

لگتا ہے، اور اس کے ہر فعل کو سراسر حکمت سے مملو دیکھتا ہے، اسی کے حکم کے مطابق اس کو اپنے کاموں میں وکیل بناتا ہے۔ فاتخذہ وکیلا (۷۳: ۹)۔ اسی کا فرمان ہے "کفیٰ باللہ وکیلا" (۴: ۸۱) کہہ کر وہ آزادی و اطمینان کے ساتھ مصروفِ عمل ہو جاتا ہے۔ عمل کا لامتناہی جذبہ اس کے قلب میں پیدا ہو جاتا ہے، اس کی زندگی سرتاپا حرکت و عمل ہو جاتی ہے، تنگی و تلخی سے وہ نہیں گھبراتا، دنیا کے عمل عقبیٰ میں چل، باقی سودائے خام، کا نعرہ لگاتا ہے، بے باک مجاہد کی طرح کائنات کی تسخیر کے لیے قدم اٹھاتا ہے، کامیابی ہر قدم پر اس کے پیر چومتی ہے اور سخر لکم ما فی السموات و ما فی الارض (۴۵: ۱۳) کی بشارت اس کے لیے مہمیز کا کام کرتی ہے۔ اعلائے کلمۃ الحق کا داعیہ حرکت و عمل کی عجیب روح اس کے اندر پھونک دیتا ہے، خود غرضی، انانیت، نفسانیت ہویٰ و تمنا سے اس کا قلب فارغ ہو جاتا ہے اور "ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ" (۹۲: ۲۰) کو ہر آن پیشِ نظر رکھ کر اس کا ہر قدم آگے ہی کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور اسی جذبے کے تحت وہ دنیا کو نجات کا راستہ بتلاتا ہے اور اس کو آزادی، وحدت و مساوات، امن و فلاح، محبت و آشتی کا پیغام پہنچاتا ہے۔

اس مجاہد کی ہمتیں بلند ہوتی ہیں۔ اس کا قصد و عزم عزیمت پر ہوتا ہے، اس کی کمرِ استقلال مستحکم و مضبوط ہوتی ہے، غم و ملال اس کے دل کو توڑ نہیں سکتا، آفات و بلیات کے نزول پر وہ صبر کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ع ہر چہ از دوست می رسد نیکو است، صدمے اور صعوبتیں اس کی ہمتِ مردانہ میں کسی قسم کی کمزوری نہیں پیدا کر سکتیں، جانتا ہے کہ افضل الایمان الصبر و السماحۃ' برترین ایمان صبر و سخاوت ہیں، اور اللہ تعالیٰ علوئے ہمت کو پسند فرماتا ہے "ان اللہ یحب معالی الھمم"

ایسا مجاہد اس دنیا میں نور کی ایک شعاع ہوتا ہے جہاں وہ جاتا ہے تاریکیاں غائب ہو جاتی ہیں، وہ طمانیت، راحت و سکونِ قلب کا ایک روشن مینار ہوتا ہے اس کی صحبت ٹوٹے ہوئے دلوں کو سکینت بخشتی ہے۔ لوگوں کو اس سے بقول رومی "بوئے خدا" آتی ہے۔ وہ دنیا کے لیے رحمت ہوتا ہے!

دہم) توحید کے یہ ثمرات تو فرد کے لیے ہیں۔ اب معاشرے کے لیے جو برکات حاصل ہوتی ہیں

ان پر غور کرو:-

توحید یا ایمان باللہ کا لازمی نتیجہ خلق اللہ سے محبت ہے، اس لیے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے۔ اس لزوم کی توجیہ یوں کی جا سکتی ہے: توحید الوہیت کی تعمیل میں تم نے یہ دیکھا کہ موحد کی توجہ کا قبلہ حق تعالیٰ ہو جاتے ہیں، وہ انہیں اپنا مولیٰ سمجھ کر اپنی تمام مرادوں اور حاجتوں کو ان ہی کے سامنے پیش کرتا ہے، وہی اس کی امید و رجاء کا ملجاء و ماویٰ بن جاتے ہیں۔ ان ہی سے وہ محبت کرنے لگتا ہے اس لیے قرآنِ حکیم نے مومن کو حق تعالیٰ سے شدید محبت کرنے والا اقرار دیا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۲: ۱۶۵) محب کے دل میں محبوب کی محبت کے سوا دنیا و آخرت کی محبت باقی نہیں رہتی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک دل میں دو محبتیں جمع ہوں ع یک خانہ دو مہمان نگنجند! ہاں وہ وسائل وصول محبوب کو ضرور دوست رکھتا ہے، یہی مفہوم ہے اس حکم کا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ، (۳: ۳۱) اسی لیے حبّ خدا کی علامت حبّ رسول اور ہر اس شئی کی محبت ہے جو اللہ و رسول کی طرف منسوب ہو، دیکھو مجنوں نے کیا کہا تھا۔

اذل لال لیلی فی ھواھا
واحتمل الاصاغر والکبارا

"لیلیٰ کی محبت میں لیلیٰ کے دوست و احباب کے ساتھ نرمی و مہربانی سے پیش آتا ہوں اور چھوٹوں اور بڑوں کو برداشت کر لیتا ہوں" مشہور کہاوت ہے کہ من یحب انسان "یحب کلب محلتہ"۔ جب کوئی شخص کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کے محلے کے کتے کو بھی چاہتا ہے۔ جب مجنوں کو کسی نے ملامت کی کہ تو لیلیٰ کے کتے سے کیوں محبت کرتا ہے، وہ تو مقعد خود را ابلیس می منزد" تو مجنوں نے اس ظاہر بیں کو جواب دیا۔

گفت مجنوں تو ہمہ نقشی و تن ... اندر آ بنگر تشبے از چشم من
کیں طلسم بستہ مولیٰ ست ایں ... پاسبان کوچہ لیلیٰ ست ایں

محبت جب قوی ہو جاتی ہے تو محبوب سے تجاوز کر کے ہر اس شے سے متعلق ہو جاتی ہے

جو محیط بالمحبوب ہے، اور یا سباب محبوب ہے ایہ شرک فی الحب نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی محبوب کے پیغام پر یا اس کے پیغام کو دوست رکھتا ہے اس لیے کہ وہ اس کا پیام ہے اور اسی کا پیام ہے تو اس کی محبت متجاوز الی غیر المحبوب نہیں ہوتی، بلکہ اس کے کمال محبت پر دلیل ہے۔ اسی لیے جب کسی کے دل پر اللہ کی محبت غالب آجاتی ہے تو وہ ساری خلق اللہ کو دوست رکھتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے۔ اسی وجہ سے حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ" ساری مخلوق عیال اللہ اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کی مخلوق سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے (بیہقی) کتاب الایمان) ایک اور وقت آپ نے فرمایا" کونوا عباد اللہ اخوانا" اللہ کے بندہ بھائی بھائی بن جاؤ (بخاری) اور اس خدا کی، جو ہر شے کا رب ہے، قسم کھا کر فرمایا کہ" العباد کلھم اخوۃ" انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں (اخرجہ احمد، ابو داؤد)۔ عقلاء نے کہا کہ اصل عقل تو یہ ہے کہ" لوگوں سے محبت کرے اس طرح کہ حق ترک نہ کیا جائے" (کنوز الحقائق) حقیقی زندگی تو محبت و اتحاد خدا کی محبت کا لازمی نتیجہ اس کی مخلوق سے محبت ہے، اس لیے عقیدۂ توحید اقوام عالم کے درمیان محبت و اتحاد کی ایک کڑی ہے۔ ایمان باللہ تو اس وقت کامل ہوتا ہے جب ہم اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کی خواہش کریں جس کی ہم اپنے لیے کرتے ہیں۔

گیرم کہ نماز ہائے بسیار کنی

روزہ دہر بے شمار کنی

"تا دل نہ کنی ز غصہ و کینہ تہی"

صد من گل بر سر یک خار کنی

قلب انسانی کو ہم نے تہذیب اسلامی کی زمین قرار دیا ہے۔ اس نے ایک منادی کی ندا سنی کہ" اپنے رب پر ایمان لا" وہ ایمان لے آتا ہے:

"رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا" (۳: ۱۹۳)

منادی محمد رسول اللہ ہیں، ایمان وہ قوت ایقانیہ و قدرت اتباعیہ ہے جو ہمارے باطن میں ودیعت کی گئی ہے، رب منادی ہمارا معبود خالق و رازق ہے، جو ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہے، اقرار بایمان یہ ہے کہ منادی نے جو کچھ پہنچایا ہے۔ اس پر ایقان و اذعان رکھیں، اور اس کے مطابق عمل کریں۔ اس اقرار و ایقان و عمل سے ہمیں کیا حاصل ہوگا؟ رب منادی کی محبت، اطاعت، حریت، سکینت اتحاد انسانی، مساوات، امن و فلاحِ دنیوی و اخروی!

یہ ہے اسلامی تہذیب کا مفہوم میری نظر میں! یہ ہے نقشہ اس شجرۂ طیبہ کا جس کی جڑیں زمین میں مضبوطی کے ساتھ پھیلی ہوئی ہیں اور جس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہیں جو ہر وقت اذنِ رب سے پھل لاتا ہے اور اپنے برکات سے کائنات کو مستفید ہونے کا موقع دیتا ہے اور اعلانِ عام کرتا ہے :

"خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" (۲ : ۶۳)